سر سید احمد خان کا تصور معجزات

Sir Sayyid Ahmad Khan's Concept of Miracle

پروفیسر ڈاکٹر محمد ارشد قیوم*

Abstract

Sir Syed Ahmed Khan (1817 – 1898) says that in the history of Prophets the incidents which were regarded as miracles were not miracles, but happening which took place according to the natural laws. He says if miracles can be traced back the causes, they are subject to natural laws and not miracles. According to him nothing happens which is against the law of nature. He rejects miracles not because they are contrary to reason but because Quran does not lend to support to miracles He denies that the Prophets could perform miracles, even Muhammad (PBUH) who was the greatest of the Prophets, was not given any power to perform miracles. According to him miracles are not testimony of Prophet hood.

سر سید احمد خان نے مسئلہ معجزات میں جمہور سے اختلاف کیا ہے۔ وہ اپنی تفسیر میں اپنے موقف کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، جو تین نکات پر مشتمل ہے:

۱- معجزہ (خارق عادت وفطرت) کا وقوع ناممکن ہے اور قرآن میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں[۱]۔

۲- یہ دلیل نبوت نہیں[۲]۔

۳- قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معجزہ کے صادر ہونے کا کوئی ذکر نہیں[۳]۔

نکتہ اول کہ "معجزہ کا وقوع ناممکن ہے"، وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خرق عادت کے دو معنی

* پرنسپل گورنمنٹ گرلز کالج غازی، ہری پور، پاکستان۔

ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ جو امر ہمیشہ عادت مستمرہ کے مطابق ہوتا رہتا ہے وہ اس کے خلاف ہو جائے۔ مثلاً آسمان سے بارش کی جگہ خون کے مشابہ کوئی چیز برسے یا اولوں کی جگہ پتھر گریں۔ اور دوسرے معنی میں معجزہ سے مراد وہ خارق فطرت (Super Natural) لیتے ہیں، کہ کوئی امر اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کے خلاف ہو[۴]۔

پہلے مفہوم کے اعتبار سے وہ معجزہ کے ممکن الوقوع ہونے کا اقرار کرتے ہیں، لیکن ان کا یہ اقرار لفظی حد تک ہی ہے، حقیقتاً وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "۔۔۔ ایسے امر پر خارق عادت کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ خارق عادت نہیں ہوتا کہ اس کا وقوع اسباب کے جمع ہونے پر منحصر ہے۔ اور جو امر اسباب سے ہو وہ خارق عادت نہیں ہوتا"[۵]۔

اپنے اس موقف کو وہ عقلی طور پر مثالوں سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ عادت یہ ہے کہ شیشہ بلندی سے گر کر ٹوٹ جاتا ہے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بلندی سے گرنے کے باوجود شیشہ نہیں ٹوٹتا۔ ظاہراً تو یہ خارق عادت ہے لیکن حقیقتاً خارق عادت نہیں کہ ایسے اسباب موجود تھے کہ شیشہ ٹوٹنے سے محفوظ رہا۔ اور جو امر اسباب کے تحت ہو وہ خارق عادت نہیں موافق عادت ہوتا ہے۔ لہذا یہ مجازاً تو خرق عادت ہو گا لیکن حقیقتاً نہیں[۶]۔

دوسری مثال وہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کو آنکھ بھر کر دیکھے اور وہ بے ہوش ہو جائے۔ یا کسی اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرنے سے وہ بینا ہو جائے، یا کسی بہرے کے کانوں میں انگلیاں ڈالے اور وہ سننے لگ جائے تو یہ امور ظاہراً خارق عادت ہیں، لیکن حقیقتاً خارق عادت اس لیے نہیں کہ انسانوں میں کوئی ایسی قوت موجود ہے جس سے اس طرح کے کام ہوسکتے ہیں۔ جو شخص بھی اس قوت کو کام میں لانے کے قابل ہو جائے اس سے اس طرح کے کام ظاہر ہوسکتے ہیں۔ اور ضروری نہیں کہ ایسے امور کے وقوع کے اسباب سے ہم آگاہ ہوں۔ لیکن اس قوت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ وہی قوت ہے جس پر عصری علوم "مزمرزم" وغیرہ کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "۔۔۔ مگر جب وہ ایک قوت ہے قوائے انسانی میں سے، اور ہر ایک انسان میں بالقوہ موجود ہے جیسے کتابت تو اس کا کسی انسان میں ہونا معجزہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ فطرت انسانی میں سے انسان کی ایک فطرت ہے"[۷]۔

سر سید معجزہ صرف اسی کو کہتے ہیں جو خلافِ قانونِ قدرت ہو، وہ کہتے ہیں کہ "جب تک خرقِ عادت کے دوسرے معنی یعنی خلافِ قانون قدرت کے نہ لیے جاویں اس وقت تک کسی واقعہ کا وقوع بطور معجزہ و کرامت کے تسلیم نہیں ہو سکتا"[۸]۔

لیکن ساتھ ہی وہ ایسے واقعہ کے وقوع کو خارج از امکان قرار دے کر معجزہ سے یوں انکار کر دیتے ہیں کہ "معجزہ یا خارق عادت چونکہ قانون قدرت کے خلاف ہوتا ہے، اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر قانون قدرت میں تبدیلی تسلیم کرنی پڑتی ہے، جب کہ اس میں کسی طرح کی تبدیلی نہیں ہو سکتی، نہ اللہ اس میں تبدیلی کرتا ہے اور نہ کرے گا، کیونکہ قانونِ قدرت اللہ کا عملی وعدہ ہے کہ اسی طرح ہوا کرے گا، اور اگر کوئی واقعہ اس کے خلاف وقوع پذیر ہو جائے تو اللہ کی ذات پر وعدے کی خلاف ورزی اور جھوٹ لازم آتا ہے جو محال ہے"[۹]۔

وہ اپنے اس مسلک کو عقل و نقل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عقلی دلائل دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ معجزات کو تسلیم کرنا خلاف عقل ہے۔ کیونکہ عقل قوانین قدرت کو اٹل ثابت کرتی ہے۔ اور معجزات وخوارق کے تسلیم سے اس اٹل قانونِ فطرت کی نفی ہوتی ہے، جو خلاف عقل ہے[۱۰]۔

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خارق عادت (معجزہ و کرامت) توحید کے خلاف ہے، کیونکہ ان پر ایمان سے اللہ کی قدرت اور فاعلیت میں غیر کی شرکت کا شائبہ پیدا ہوتا ہے، جو اللہ کی صفات میں وحدانیت کو نامکمل کر دیتا ہے۔ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی لاؤلپٹ کے معجزات کے مطالبے کے جواب میں صاف صاف فرمادیا تھا کہ ﴿سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا﴾[۱۱] (میرا رب پاک ہے میں صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں)۔

تیسری دلیل وہ یوں دیتے ہیں کہ خوارق عادت پر اعتقاد، ضعیف الاعتقادی، توہم پرستی، قبر پرستی اور پیر پرستی کو جنم دیتا ہے۔ اور مکار و دھوکہ باز سادہ لوح عوام کے دلوں میں اپنی جھوٹی کرامتوں کا نقش بٹھا کر ان کے عقیدے کو خراب کر دیتے ہیں۔ اور اس کا ثبوت پیر پرست لوگوں کے حالات سے بخوبی حاصل ہے جو اس وقت موجود ہیں۔ اور صرف معجزہ و کرامت کے خیال نے ان کو پیر پرستی اور گور پرستی کی رغبت دلائی ہے، اور خدائے قادر مطلق کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ اور غیر اللہ کے نام پر منتیں ماننا، نذر و نیاز چڑھانا ان کے نام کے نشانات بنانا اور ان کے نام پر جانور قربان کرنا سکھایا ہے[۱۲]۔

نقلی دلائل دیتے ہوئے سرسید قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہیں کہ اللہ کا فرمان ہے کہ ﴿لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾[13] (اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا) ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾[14] (سو تم اللہ کی عادت میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے اور اللہ کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے) ﴿سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾[15] ((یہی) اللہ کی عادت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے۔ اور تم اللہ کی عادت کبھی بدلتی نہ دیکھو گے)۔ ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ﴾[16] (کہہ دیجیے کہ ہر شخص اپنے طریق کے مطابق عمل کرتا ہے)۔

ان آیات سے سرسید یہ استدلال کرتے ہیں کہ "اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور نہ ہی سنت اللہ بدل سکتی ہے، جس کی جو جبلت بنادی گئی ہے وہ اسی طرح عمل کر رہا ہے"[17]۔ اپنے موقف کو تقویت دینے کے لیے وہ مزید آیات بھی پیش کرتے ہیں کہ ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾[18] (اور ہم نے ہر چیز اندازہ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے) ﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ﴾[19] (اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے) اور ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا﴾[20] (اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا)۔

وہ ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اللہ نے ہر چیز کو پیدا کرکے اس کا ایک اندازہ و حد مقرر کر دی ہے۔ وہ چیز اس اندازے سے نہ بڑھتی ہے نہ ہی کم ہوتی ہے اور یہی اندازہ قانون قدرت ہے"[21]۔

ان کا یہ بھی خیال ہے کہ قرآن مجید میں کسی معجزے کا ذکر نہیں اور اپنے اسی خیال کو وہ اپنے مسلک کے حق میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ " حکماء و فلاسفہ نے معجزات کا انکار کسی وجہ سے کیا ہو، مگر ہمارا انکار صرف اس بناء پر نہیں کہ وہ مخالف عقل کے ہیں، اور اس لیے ان سے انکار ضرور ہے، بلکہ ہمارا انکار اس بناء پر ہے کہ قرآن مجید سے معجزات و کرامات یعنی ظہور امور کا بطور خارق عادت یعنی خلاف فطرت یا خلاف جبلت یا خلاف خلقت یا خلاف قدرۃ اللہ التی قدرہا اللہ کے امتناع پایا جاتا ہے"[22]۔

خارق عادت کے ممکن الوقوع ہونے کے مسئلہ میں مسلم متکلمین مختلف الآراء ہیں۔ رازی نے اپنی تفسیر میں آیت ﴿فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُبِينٌ﴾[23] کی تفسیر کے ضمن میں اس اختلاف کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "واعلم أن القول بتجويز انقلاب العادات عن مجاريها صعب مشكل والعقلاء اضطربوا فيه"[24] کہ انقلاب عادات جاریہ (خرق عادت) کا قائل ہونا مشکل ہے اور ارباب عقل اس میں مضطرب ہیں۔ پھر وہ اس

مسئلہ میں اہل علم کے اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "وحصل لأهل العلم فيه ثلاثة أقوال"[۲۵] کہ اہل علم سے اس مسئلہ میں تین قول منقول ہیں۔

قول اول اشاعرہ کا ہے کہ وہ ہر طرح کے خرق عادت کے قائل ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ اندلس میں بیٹھا ہوا اندھارات کے اندھیرے میں مشرق بعید کے کسی علاقے کو دیکھ لے۔ دوسرا قول فلاسفہ کا ہے کہ وہ خرق عادت کے علی الاطلاق منکر ہیں۔ اور تیسرا قول معتزلہ کا ہے کہ وہ بعض حالات میں خرق عادت کے وقوع کے قائل ہیں اور بعض میں منکر[۲۶]۔

فلاسفہ کے انکار کی بنیاد سلسلہ اسباب وعلل کو اٹل تسلیم کرنا ہے۔ ان کے نزدیک ذات واجب الوجود علتِ اولیٰ یا عقل اول کی علت تامہ ہے۔ اور علت تامہ سے معلول کا تخلف نہیں ہوتا بلکہ اس سے اضطراراً بلا قصد وارادہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً جس طرح آفتاب کی روشنی علت تامہ ہے کہ آفتاب نکلنے سے روشنی کا ظہور لازمی ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ کبھی بعض مواقع کی وجہ سے یہ روشنی ہمیں نظر نہ آئے۔ اس روشنی کا صدور سورج کے قصد وارادہ سے نہیں بلکہ مجبوراً ہوتا ہے۔ اسی طرح عقل اول کے پیدا ہونے کے بعد عالم کائنات کا تمام کارخانہ باہمی سلسلہ علت ومعلول سے خود بخود پیدا ہونے لگا اور تمام عالم ایک ایسے نظام میں بند ہوگیا ہے کہ اب خالق اول کو اس میں مداخلت کی قدرت ہی نہیں ہے[۲۷]۔

فلاسفہ نے یہ نظریہ اختیار تو کرلیا لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ ان واقعات کی کیا توجیہہ کی جائے جن کا کوئی ظاہری سلسلہ علل ومعلول نہیں۔ اور تجربہ ومشاہدہ ان کے وقوع کا انکار بھی نہیں کرسکتا۔ ایک طرف سلسلہ علل ومعلول سے اللہ مجبور محض ہوجاتا ہے، اور دوسری طرف خرق عادت بھی رونما ہوتے ہیں۔ اس مشکل سے نکلنے کے لیے انہوں نے اسباب وعلل خفیہ کا سہارا لیا۔ اور یہ کہا کہ معجزہ اسبابِ خفیہ کی بناء پر صادر ہوتا ہے۔ جب اس کے اندرونی طبعی اسباب وعلل موجود ہوتے ہیں تو وہ خرق عادت نہیں رہتا اور نہ ہی معمولی نظام عالم میں کوئی تبدیلی ہوتی ہے[۲۸]۔

فلاسفہ کے اس نظریہ پر جو اعتراضات واقع ہوئے ہیں ان کے پاس ان اعتراضات کا کوئی جواب نہیں۔

اول یہ کہ کائنات کے جو علل واسباب اور اشیاء کے جو خواص اب تک دریافت ہوئے ہیں کیا وہ نظام کائنات کو چلانے کے لیے کافی ہیں؟ اور دوم یہ کہ کیا کائنات کے سارے اسرار ورموز دریافت ہوچکے ہیں۔ اور کائنات کی ہر چیز کی علت وخاصیت معلوم ہوچکی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ جن اشیاء تک انسان کی اب تک رسائی ہوئی ہے۔ اور اس نے ان کے متعلق جو علم حاصل کیا ہے، وہ اسی حد تک ہے کہ وہ چیزیں کس طرح کام کرتی ہیں؟ یا وہ کیا ہیں؟ وہ ایسی کیوں ہیں، اس کا جواب کسی کے پاس بھی نہیں۔ خود انسان اپنے اندر ہونے والے اعمال کے "کیوں" کا جواب نہیں دے سکتا۔ کہ دل کیوں دھڑکتا ہے؟ پھیپھڑے کیوں سانس لیتے ہیں؟ آنکھیں کیوں دیکھتی ہیں؟ کان کیوں سنتے ہیں؟

پھر فلاسفہ جس سلسلہ اسباب وعلل کو نظام عالم کے چلانے کو کافی خیال کرتے ہیں اس پر یقین کر لینے سے آغاز آفرینش کی بحث پیدا ہوتی ہے۔ مادہ کیا ہے؟ اور کس طرح وجود میں آیا؟ عناصر کیسے ظہور میں آئے؟ یہ ایسا راز ہے جو کبھی منکشف نہیں ہو گا۔ فلاسفہ اس راز کو منکشف کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس "کیوں" کا جواب اصول ارتقاء کی صورت میں دیتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ کوشش سعی لاحاصل ہے کہ خود اصول ارتقاء کی حیثیت مفروضات وواہمیات سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ اور اس سلسلہ اسباب کی آخری سرحد لاعلمی وجہالت پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ عناصر ومادہ کی نہ ابتداء معلوم کہ کیسے ہوئی، اور نہ ہی علت حدوث معلوم کہ کیوں ہوئی[۲۹]۔

کائنات میں جاری سلسلہ علل واسباب یہ تو بتا رہا ہے کہ حیوانات نطفہ سے پرندے انڈوں سے اور نباتات بیج سے پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بتانا کسی کے بس میں نہیں کہ پہلا انسان، پہلا پرندہ اور پہلا پودا کس سے پیدا ہوا۔ اگر بغیر نطفہ، بغیر انڈا اور بغیر گٹھلی کے پیدا ہوا ہو تو سلسلہ اسباب وعلل کی ساری عمارت ہی گر جاتی ہے۔ اور اگر پہلا حیوان نطفہ سے، پہلا پرندہ انڈہ سے اور پہلا درخت بیج سے پیدا ہوا تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ نطفہ حیوان کے بغیر، انڈا پرندے کے بغیر اور درخت بیج کے بغیر وجود میں آیا ہے[۳۰]۔ یہ لاینحل عقدہ سلسلہ علل واسباب کے قائلین حل نہیں کر سکتے۔

فرق اسلامیہ میں اشاعرہ بظاہر سلسلہ اسباب کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی شئے کسی کی علت نہیں، اور نہ اشیاء میں خواص وتاثیر ہے۔ ان کے ہاں خوارق عادت ایسے امور ہیں جن کا وقوع بلاواسطہ اسباب طبعیہ کے ہوتا ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم میں ہر چیز کو کسی سبب عادی کے بغیر پیدا کرتا ہے۔ لیکن کسی وقت وہ اپنے کسی پیغمبر کی خصوصیت دکھانے اور اس کی سچائی ثابت کرنے کے لیے اس کے ہاتھ سے کسی چیز کو بلاواسطہ سبب عادی کے محض ارادہ سے پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ معجزہ سے کسی چیز کا وجود بلاواسطہ اسباب ہوتا ہے اس لیے اسے خارق عادت یعنی عادت کو پھاڑنے والا کہتے ہیں[۳۱]۔ یہ مسلک صرف اشاعرہ ہی کا ہے کسی اور نے اسے اس طرح اختیار نہیں کیا۔ بلکہ ابن تیمیہ[۳۲] نے اشاعرہ کی اس فکر کو ابوالحسن اشعری[۳۳] کے تفردات میں شمار کیا ہے[۳۴]۔ رہا معاملہ اشاعرہ اور معتزلہ کے اختلاف کا تو وہ صرف نظریہ کا اختلاف ہے، نتیجہ کا نہیں۔ اس

اختلاف سے خرق عادت کے ثبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دونوں یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی کبھی اشیاء کی عادت جاریہ کو بدل دیتا ہے اور توڑ دیتا ہے۔ یہ کیسے کرتا ہے؟ یا کیسے ہوتا ہے؟ اس بحث میں پڑنے کی ضرورت ہی نہیں[۳۵]۔

سر سید احمد خان کا مسلک فلاسفہ سے اخذ کردہ ہے۔ وہ ظاہری اقرار کے باوجود خارق عادت کے وقوع کا انکار کرتے ہیں۔ گو وہ یہ کہتے ہیں کہ ان کا انکار اس وجہ سے ہے کہ یہ خلاف عقل ہے اور قرآن حکیم میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ ان کی یہ دلیل غلط فہمی پر مبنی ہے۔ قرآن حکیم نے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ذکر صراحتاً کیا ہے۔ لیکن سر سید انہیں معجزہ ماننے سے انکار کرتے ہیں اور ان کی تاویل کرتے ہیں۔

سر سید اپنے مسلک کے حق میں جن آیات سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قوانین قدرت اٹل ہیں ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے خارق عادت کا وقوع بھی ممکن نہیں۔ درحقیقت وہ ان آیات کو اپنے سیاق سے الگ کر کے دیکھتے ہیں۔ مثلاً ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾[۳۶] کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی سنت اللہ بدل سکتی ہے۔ جس کی جو جبلت بنادی گئی ہے وہ اسی پر عمل کر رہا ہے۔[۳۷] قرآنی منشا کے خلاف ہے۔

آیت ﴿فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَحْوِيلًا﴾ میں یا اس طرح کی دوسری آیات میں جن قوانین قدرت اور سنت اللہ کو اٹل اور غیر متبدل کہا جارہا ہے وہ کون سی ہیں؟ کیونکہ قوانین قدرت تو بے شمار ہیں۔ کچھ کا تعلق اجرام فلکی سے ہے کہ وہ کیسے حرکت کرتے ہیں؟ اور ان میں باہمی کشش کیسے ہے؟ کچھ کا تعلق اشیاء کے خواص سے ہے کہ زہر مہلک ہے، پانی نشیب کی طرف بہتا ہے وغیرہ۔ اور کچھ انسانی اخلاقیات اور قوموں کے عروج وزوال سے تعلق رکھتے ہیں۔

ان آیات میں جنہیں سر سید اپنے موقف کے حق میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قوموں کے عروج وزوال کو بیان کر رہا ہے۔ جن میں اللہ کی سنت اور اس کا قانون غیر متبدل اور اٹل ہے۔ جب کوئی قوم سرکشی میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے اور اخلاقی پستی کی انتہاء تک پہنچ جاتی ہے تو وہ عذاب میں ماخوذ ہو جاتی ہے اور بام عروج سے قعر مذلت میں گر جاتی ہے۔ یہ ہے وہ اللہ کا قانون اور اس کی سنت جو غیر متبدل ہے۔ آیات کا یہ مفہوم خود قرآن حکیم واضح کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدَى مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّةَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ

تَحْوِيلًا﴾ [۳۸] (اور یہ اللہ کی سخت سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی ہدایت کرنے والا آئے تو یہ ہر ایک امت سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں گے۔ مگر جب ان کے پاس ہدایت کرنے والا آیا تو اس سے ان کو نفرت ہی بڑھی۔ انہوں نے ملک میں غرور کرنا اور دوہری چال چلنا اختیار کیا۔ اور بری چال کا وبال اس کے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے۔ یہ اگلے لوگوں کی روش کے سوا اور کسی چیز کے منتظر نہیں۔ سو تم اللہ کی عادت میں ہر گز تبدل نہ پاؤ گے۔ اور اللہ کے طریقے میں کبھی تغیر نہ دیکھو گے)۔

سورہ بنی اسرائیل میں ہجرت کے سلسلہ میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اگر اہل مکہ (مشرکین) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کر کے مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ کچھ زیادہ عرصہ نہیں رہ سکیں گے۔ کہ اللہ کا طریقہ (قانونِ قدرت) یہ ہے کہ وہ رسولوں کے مقابلے میں آنے والے مخالفین کو جو دعوت حق قبول کرنے سے اعلانیہ انکار کر دیتے ہیں، ہٹا دیتا ہے۔ یہی سنت الٰہی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی۔ اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہو گا۔ [۳۹] اللہ کا فرمان ہے کہ ﴿وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا - سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا﴾ [۴۰] (اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے پھسلا دیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں سے جلاوطن کر دیں۔ اس وقت آپ کے پیچھے یہ بھی نہ رہتے مگر بہت کم، جو رسول ہم نے آپ سے پہلے بھیجے تھے ان کا [اور ان کے بارے میں ہمارا] یہی طریق رہا ہے۔ اور تم ہمارے طریق میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے)۔

اللہ کے اس طریقہ (قانونِ قدرت) کا اظہار غزوہ بدر میں ہوا۔ جہاں مشرکین کے تمام زعماء قتل ہو گئے اور ہجرت کے بعد دوسرے ہی سال (بہت کم مدت میں) رسولوں کے بارے میں اللہ کی اٹل اور غیر متبدل سنت ظاہر ہو گئی [۴۱]۔

سر سید اپنے موقف کے حق میں یہ آیت بھی پیش کرتے ہیں کہ ﴿فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ [۴۲] [اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی بتائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا]۔ لیکن اس سے بھی ان کا موقف ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ آیت میں ﴿فِطْرَةَ اللَّهِ﴾ سے مراد توحید ہے۔ [۴۳] جسے قرآن دینِ فطرت سے تعبیر کرتا ہے۔ پوری آیت یہ مفہوم خود بیان کر دیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [۴۴] (سو [باطل سے ہٹ کر] اپنے آپ کو دین پر سیدھا

قائم رکھو۔[یہ] وہی اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے]۔

قرآن حکیم کی اس اصطلاح ﴿فِطْرَةَ اللَّهِ﴾ کی تفسیر ایک صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ما من مولود إلا يولدعلى الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه كما تنتج البهيمة جمعاء هل تحسون فيها جدعاء ثم يقول: ﴿فطرة الله التي فطر الناس عليها...﴾ الآية"(۴۵) (کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔ جس طرح ہر جانور صحیح وسالم بچہ پیدا کرتا ہے۔ کیا تم نے دیکھا کہ وہ کان کٹا بچہ بھی جنتا ہے؟ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی" اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔۔۔ الخ)

سرسید کا یہ کہنا کہ قرآن حکیم میں کسی معجزہ کا کوئی تذکرہ نہیں، بھی محض بلادلیل ہے۔ قرآنِ حکیم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر موجود ہے۔ اور قرآن حکیم انہیں معجزہ ہی کر کے پیش کرتا ہے۔ سرسید اپنے زعم میں ان کی تاویل کر کے انہیں عین مطابق فطرت ثابت کرتے ہیں۔ اور پھر ان کے معجزہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن حکیم، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے آگ کے ٹھنڈا ہونے کا ذکر کرتا ہے: ﴿قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ﴾(۴۶) (وہ کہنے لگے کہ اس کے لیے ایک عمارت بناؤ پھر اس کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دو)۔ یہ حکم ان کے مخالف حکمرانِ وقت نے اس وقت دیا جب وہ ان کے بت توڑنے پر انتہائی طیش میں آگیا تھا۔ یہ صرف حکم ہی نہیں تھا بلکہ بالفعل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا۔ ﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ - وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ﴾(۴۷) (ہم نے حکم دیا آگ سرد ہو جا اور وہ ابراہیم پر [موجب] سلامتی [بن جا] ان لوگوں نے برا تو ان کا چاہا تھا مگر ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا)۔

جب کہ سرسید اس معجزہ کا انکار ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ "حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے میں کوئی نص صریح اس بات پر نہیں ہے کہ در حقیقت ان کو آگ میں ڈال دیا گیا تھا"(۴۸) سرسید چونکہ خود جدید سائنس کے سامنے سپر ڈال چکے تھے۔ اس لیے ہر وہ بات اور واقعہ ان کے نزدیک قابلِ تاویل قرار پایا جو سائنس کی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا تھا۔ اور تمام واقعات انبیاء جن سے معجزات کا ثبوت ملتا ہے ان کے نزدیک قابل تاویل قرار پائے۔ ان کا خیال یہ ہے کہ قدماء مفسرین نے ان واقعات کو اس لیے معجزہ تسلیم کیا ہے کہ وہ سائنس سے واقف نہیں تھے۔

اور اسی وجہ سے وہ قرآن حکیم کے الفاظ پر کافی توجہ نہیں دے سکے۔ مزید یہ کہ یہ واقعات عہد عتیق کی کتب کے حوالے سے اسی طرح مشہور ہوگئے تھے۔ مفسرین نے بھی انہیں اسی طرح تسلیم کر لیا۔ اور تیسری وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ ہر عجیب بات کو خواہ وہ قانونِ فطرت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اسے معجزہ قرار دے دیا گیا۔ اور الفاظ قرآن کی حقیقت پر غور نہیں کیا گیا(۴۹)۔

جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ سرسید خود سائنس سے اتنے متاثر ہو چکے تھے کہ انہوں نے قرآنی واقعات کو بھی سائنس ہی کی کسوٹی پر پرکھنا چاہا۔ جس کا نتیجہ انکارِ معجزات کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اگر وہ سائنس کو نامکمل اور قرآن حکیم کو اٹل حقیقت تسلیم کر کے الفاظ قرآنی پر غور کرتے تو ان پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا کہ قرآن حکیم نے واقعات انبیاء میں معجزات کو صریح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ میں سرسید احمد خان کے مطابق "انہیں آگ میں ڈالنے پر کوئی نص صریح موجود نہیں"۔ جب کہ قرآن حکیم میں اس پر نص صریح موجود ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معبد میں بت توڑ دیئے اور آپ علیہ السلام کے جواب پر مخالفین سے کچھ بن نہ پڑی تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنے معبودان باطلہ کا انتقام لینے کے لیے ضروری ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا جائے۔ ﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانْصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ﴾(۵۰) (تب وہ کہنے لگے کہ اگر تمہیں [اس سے اپنے معبودوں کا انتقام لینا ہے اور] کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو)۔ اسی کو قرآن حکیم دوسرے مقام پر اس طرح بیان کرتا ہے کہ ﴿قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ﴾(۵۱) (وہ کہنے لگے کہ اس کے لیے ایک عمارت بناؤ پھر اس کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دو)۔

یہ ان کی تدبیر تھی جسے اللہ نے ناکام بنادیا۔ ﴿وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ﴾(۵۲) (ان لوگوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تدبیر کی سو ہم نے انہیں ناکام بنادیا)۔ تدبیر دو طرح سے ناکام بنائی جاسکتی تھی۔ اول یہ کہ آپ علیہ السلام کو آگ ہی میں نہ ڈالا جاسکتا۔ اور دوم یہ کہ وہ تو آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیتے لیکن آگ انہیں نہ جلاتی۔ قرآنِ حکیم کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ ان کی تدبیر کو دوسری طرح سے ناکام بنایا گیا کہ انہیں آگ میں ڈالا گیا اور اللہ کے حکم سے آگ ان کے لیے ٹھنڈی ہو گئی۔ ﴿قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ﴾(۵۳) (ہم نے حکم دیا اے آگ سرد ہو جا اور ابراہیم پر [موجب] سلامتی [بن جا])۔

اگر سر سید کا موقف درست تسلیم کیا جائے کہ آپ علیہ السلام کو آگ میں نہیں ڈالا گیا۔ تو آیت قرآنی کا انکار لازم آتا ہے۔اور مزید یہ کہ آگ کو ٹھنڈا ہو جانے کا حکم دینا بے معنی ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں قرآن حکیم، آپ علیہ السلام کی لاٹھی کی ضرب سے بارہ چشموں کے پھوٹنے کا تذکرہ کرتا ہے۔ قرآن کا فرمان ہے کہ ﴿وَإِذِ اسْتَسْقَى مُوسَى لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَفَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ [۵۴] (اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے جب [اللہ سے] پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو [انہوں نے لاٹھی ماری] تو پھر اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے)۔ ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَى مُوسَى إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ [۵۵] (اور جب موسیٰ علیہ السلام سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے)۔

موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کو تورات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ "پھر بنی اسرائیل کی ساری جماعت سین کے بیابان سے چلی اور خداوند کے حکم کے مطابق سفر کرتی ہوئی رفیدیم میں آکر ڈیرا کیا۔ وہاں ان لوگوں کو پینے کو پانی نہ ملا۔ وہاں وہ لوگ موسیٰ سے جھگڑا کر کے کہنے لگے کہ ہم کو پینے کو پانی دے۔ موسیٰ نے ان سے کہا کہ تم مجھ سے کیوں جھگڑتے ہو اور خداوند کو کیوں آزماتے ہو۔ وہاں ان لوگوں کو بڑی پیاس لگی۔ سو وہ لوگ موسیٰ پر بڑبڑانے لگے اور کہا کہ تو ہم کو اور ہمارے بچوں کو اور چوپایوں کو پیاسا مارنے کے لیے ہم لوگوں کو کیوں ملک مصر سے نکال لایا۔ موسیٰ نے فریاد کر کے خداوند سے کہا کہ میں ان لوگوں سے کیا کروں۔ وہ سب تو ابھی مجھے سنگسار کرنے کو تیار ہیں۔ خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ لوگوں کے آگے ہو کر چل اور بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے چند کو اپنے ساتھ لے لے۔ اور جس لاٹھی سے تو نے دریا پر مارا تھا اسے اپنے ہاتھ میں لیتا جا۔ اور دیکھو میں تیرے آگے جا کر حواب کی ایک چٹان پر کھڑا رہوں گا۔ اور تو اس چٹان پر مارنا تو اس میں سے پانی نکلے گا کہ یہ لوگ پئیں۔ چنانچہ موسیٰ نے بنی اسرائیل کے بزرگوں کے سامنے یہی کیا [۵۶]۔

مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ پتھر سے پانی موسیٰ علیہ السلام کے لاٹھی مارنے سے نکلا اور یہ آپ علیہ السلام کا معجزہ تھا [۵۷]۔ لیکن سر سید احمد خان کو اس سے اختلاف ہے۔ وہ اسے امر عادی قرار دیتے ہیں۔ اور آیت کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ "آیت میں "ضرب" کے معنی "زدن" کے نہیں ہیں بلکہ چلنے کے یا جلد چلنے کے ہیں، جیسے کہ عرب بولتے ہیں "ضرب في الأرض" چلا، یا دوڑا زمین پر۔۔۔ پس صاف معنی یہ ہیں کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ "اپنی لاٹھی کے سہارے چل" [۵۸]۔

آیت میں لفظ "حجر" کے معنی بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ "پہاڑی ملک کو اہل عرب حجر" کہتے ہیں۔ جیسے "عرب الحجر "یعنی عرب کا پہاڑی حصہ ﴿فاضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ﴾ میں لفظ حجر کا استعمال ہوا ہے۔ بحر احمر کی شاخ کو عبور کرنے کے بعد ایک وادی ملتا ہے جس کا قدیم نام ایثام ہے۔ وہاں پانی نہیں ملتا۔۔۔ یہی مقام ہے جہاں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی مانگا تھا۔ اس مقام کے پاس پہاڑیاں ہیں جن کی نسبت خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿فاضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ﴾ (۵۹)۔ پھر وہ آیت کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ "یعنی اپنی لاٹھی کے سہارے سے اس پہاڑی پر چڑھ چل۔ اس پہاڑی کے پرے۔۔۔ بارہ چشمے پانی کے جاری تھے۔ جس طرح پہاڑی ملک میں پہاڑوں کی جڑ یا چٹانوں کی دراڑوں سے جاری ہوتے ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَاعَشْرَةَ عَيْنًا﴾ (اس سے پھوٹ نکلے بارہ چشمے)" (۶۰)۔

سر سید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزہ کی تاویل کرتے ہوئے جو معانی بیان کیے ہیں وہ لغت عرب کے مطابق بھی نہیں۔ "حجر" سے وہ پہاڑ مراد لیتے ہیں۔ عربی لغت میں پہاڑ کے لیے باوجود اس کے کہ متعدد الفاظ جبال، جبل، رواسی، طور، صخرہ وغیرہ استعمال ہوتے ہیں لیکن "حجر" پہاڑ کے لیے مستعمل نہیں ہے۔ اگر کہا جائے کہ "خذ هذا الحجر" تو اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہوگی کہ یہ پہاڑ لے لو (۶۱)۔

"ضَرب" سے انہوں نے چلنا مراد لیا ہے۔ یہ درست ہے کہ "ضَرب" چلنے کے لیے بھی مستعمل ہے لیکن جب یہ چلنے کے لیے آتا ہے تو اس کے صلہ "فی" ہوتا ہے۔ "الضرب في الارض — أي — الذهاب فيه والتنقل في البلاد" (۶۲) جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ﴿وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ﴾ (۶۳) (اور ان کے بھائی [مسلمان] جب [اللہ کی راہ میں] زمین میں چلتے ہیں [سفر کرتے ہیں] تو وہ ان کی نسبت کہتے ہیں)۔ ﴿لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ﴾ (۶۴) (ان ضرورت مندوں کے لیے جو اللہ کی راہ میں رکے بیٹھے ہیں اور ملک میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے)۔ جب کہ آیت زیرِ بحث میں "اضْرِبْ" کا صلہ "ب" ہے، جس سے مراد مارنا ہی ہے۔ اور "عصا" اس آلہ کا نام ہے جس سے مارنے کا حکم دیا گیا یعنی اپنی لاٹھی سے مار۔

اگر سر سید کی تاویل کو درست تسلیم کر لیا جائے تو پھر ﴿فَانْفَجَرَتْ﴾ بے معنی ہو جاتا ہے۔ ان کے مطابق وہاں بارہ چشمے پہلے سے موجود تھے۔ (۶۵) اگر ایسا ہوتا تو پھر یوں ہونا چاہیے تھا کہ "فإذا فيه اثنتا عشرة عينا" جب کہ ﴿فَانْفَجَرَتْ﴾ کا لفظ یہ بتاتا ہے کہ پتھر پر لاٹھی مارنے سے بارہ چشمے فوراً پھوٹ پڑے۔ کیونکہ "ف" تعقیب بلامہلت کے لیے ہے۔ ابی السعود میں ہے کہ "عطف على مقدر ينسحب عليه الكلام قد حذف

للدلالةعلى كمال سرعة تحقق الانفجار كأنه حصل عقيب الأمر بالضرب، إى فضرب فانفجرت"[٦٦]۔

تورات کے حوالے سے سر سید اس مقام کو جہاں سے چشمے پھوٹے تھے "ایلم" متعین کرتے ہیں جبکہ تورات ہی اس معجزے کے لیے "رفیدیم" کا مقام متعین کرتی ہے۔ ایلم کے مقام پر پانی کا تذکرہ تورات میں اس طرح ہے کہ "پھر وہ ایلم میں آئے جہاں پانی کے بارہ چشمے اور کھجور کے ستر درخت تھے۔ اور وہیں پانی کے قریب انہوں نے اپنے ڈیرے لگائے"[٦٧]۔ اور جہاں پتھر سے بارہ چشمے پھوٹنے کا معجزہ رونما ہوا اس مقام کا نام تورات "رفیدیم" بتاتی ہے[٦٨]۔ تورات کے بیان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دو مختلف واقعات تھے۔ "ایلم" میں پہلے سے بارہ چشمے موجود تھے۔ جب کہ "رفیدیم" میں معجزہ سے پتھر سے بارہ چشمے پھوٹے۔

سر سید احمد خان موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے معجزات جن کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے "لاٹھی کا سانپ بننا" اور "یدِ بیضا" کا بھی انکار کرتے ہیں۔ اور انہیں امر عادی قرار دیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں ان معجزات کا تذکرہ متعدد مقامات پر ہوا ہے۔ سورت طٰہٰ میں ہے کہ ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى O قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَى O قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَى O فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى O قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَاسِيرَتَهَا الْأُولَى O وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَى﴾[٦٩] (اور موسیٰ یہ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ میری لاٹھی ہے۔ اس پر میں سہارا لگاتا ہوں۔ اور اس سے اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں۔ اور اس میں میرے لیے اور بھی کئی فائدے ہیں۔ فرمایا کہ موسیٰ اسے ڈال دو۔ تو انہوں نے اسے ڈال دیا۔ اور اچانک سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ [اللہ نے] فرمایا کہ اسے پکڑ لو۔ اور ڈرنا مت ہم اس کو ابھی اس کی پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔ اور اپنا ہاتھ اپنی بغل سے لگالو، وہ کسی عیب و بیماری کے بغیر سفید [چمکتا دمکتا] نکلے گا۔ یہ دوسری نشانی ہے)۔

سر سید ان معجزات کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ان آیتوں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کیفیت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوئی تھی۔ قوت نفس کا ظہور تھا جس کا اثر خود ان پر ہوا تھا یہ کوئی معجزہ مافوق الفطرت نہ تھا۔۔۔ ازروئے فطرت وجبلت کے وہ قوت حضرت موسیٰ میں نہایت قوی تھا۔ جس سے اس قسم کے اثر ظاہر ہوتے ہیں"[٧٠]۔ ان کا کہنا ہے کہ لاٹھی کا سانپ بننا حضرت موسیٰ کے خیال میں تھا حقیقتاً نہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "انہوں نے اس خیال سے کہ وہ لکڑی سانپ ہے اپنی لاٹھی پھینکی اور وہ ان کو سانپ یا اژدھا دکھائی دی۔ یہ خود ان کا تصرف اپنے خیال میں تھا وہ لکڑی لکڑی ہی تھی۔ اس میں فی الواقع کچھ تبدیلی نہیں ہوئی تھی"[٧١]۔

وہ "یدِ بیضا" کو بھی قوت نفس انسانی اور تصرف قوت متخیلہ کا سبب قرار دیتے ہیں اور اس کے معجزہ ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "انسان میں ایسی قوت ہے کہ انسان اس کے ذریعہ سے قوائے متخیلہ کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اور پھر اس میں ایک خاص قسم کا تصرف کرتا ہے۔ اور ان میں طرح طرح کے خیالات اور گفتگو اور صورتیں جو کچھ اس کو مقصود ہوتی ہیں ڈالتا ہے پھر ان کو اپنے نفس مؤثرہ کی قوت سے دیکھنے والوں کی حس پر ڈالتا ہے۔ پھر دیکھنے والے ایسا ہی دیکھتے ہیں گویا وہ خارج میں موجود ہے۔ حالانکہ وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا"(۷۲)۔ وہ کہتے ہیں کہ ید بیضا بھی اسی قوت نفس انسانی کے سبب تھا نہ کہ کوئی معجزہ تھا۔ ان کے الفاظ میں "یدِ بیضاء۔۔۔ کا بھی لوگوں کو اس طرح پر دکھائی دینا اسی قوتِ نفسِ انسانی اور قوت متخیلہ کا سبب تھا نہ یہ کہ وہ کوئی معجزہ مافوق الفطرت تھا(۷۳)۔

وہ قرآن سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں: "جہاں قرآن مجید میں یدِ بیضا کا ذکر آیا ہے وہاں یہ مضمون بھی موجود ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ یکا یک چٹا تھا دیکھنے والوں کے لیے ﴿وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّاظِرِينَ﴾(۷۴) اس آیت کو وہ اپنے موقف کے حق میں بطور دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اور یہ مضمون صاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں وہ چٹا دکھائی دیتا تھا جو اثر قوت نفسِ انسانی کا تھا نہ کوئی معجزہ مافوق الفطرت"(۷۵)۔

سر سید کے ان نکتہ نظر پر چند اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

اول: قوت نفس کا اثر دوسرے پر تو تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن خود عامل کا اس سے متاثر ہو جانا ناممکن ہے۔ عامل جو عمل بھی کرتا ہے اور جس طرح بھی کرتا ہے، وہ دوسروں کو متاثر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ عامل اپنے عمل سے خود ہی متاثر ہونے لگ جائے اور خوف زدہ ہو جائے۔ جب کہ موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے جب لکڑی کو اژدھا بنا دیکھا تو خود ڈر گئے۔ قرآن کا بیان ہے کہ ﴿وَأَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يَا مُوسَى لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ﴾(۷۶) (اور اپنی لاٹھی ڈال دو۔ جب اسے دیکھا تو اس طرح ہل رہی تھی گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) موسیٰ ڈرو مت ہمارے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے)۔

دوم: سر سید ارتقاء کے قائل ہیں، لیکن موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ میں وہ قوتِ نفس انسانی کے اچانک اثر کو کیسے تسلیم کر لیتے ہیں؟ اگر یہ قوت پہلے سے موجود تھی اور بتدریج ظاہر ہوتی گئی تو کوئی واقعہ ان کی زندگی میں ایسا

ہونا چاہیے تھا جس سے ان کی اس قوت کا اظہار ہوتا ہو۔ اگر ایسا نہیں اور یہ سب کچھ یک لخت ہوا تو پھر یہ معجزہ ہی تھا نہ کہ امر عادی۔

سوم: اللہ تعالیٰ نے عصائے موسیٰ کے متعلق یوں بیان فرمایا ہے: ﴿فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىO قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى﴾[(۷۷)] (تو انہوں نے اس کو ڈال دیا اور وہ ناگہاں سانپ بن کر دوڑنے لگا۔ اللہ نے فرمایا کہ اسے پکڑ لو اور ڈرو مت، ہم ابھی اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے) اگر آپ علیہ السلام کی لاٹھی لکڑی ہی رہی سانپ نہیں بنی تھی تو پھر اللہ کا یہ فرمانا کہ ﴿سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى﴾ (ہم اس کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے) بے معنی ہو جاتا ہے۔ لکڑی سانپ میں تبدیل ہوگئی تھی تب ہی تو اللہ نے فرمایا تھا کہ ﴿سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى﴾ اگر بات صرف قوت نفس ہی کی ہوتی تو پھر یوں کہا جاتا ہے کہ "ہم آپ کی قوت نفسانی کو ختم کر دیتے ہیں تا کہ وہ آپ کو لکڑی نظر آئے"۔ "ستلغی قوتك النفسانية کی تراها العصاء" اور پھر لکڑی کی نہیں موسیٰ کی حالت تبدیل ہوتی۔

قرآن حکیم "عصا" کی طرح "یدِ بیضا" کو بھی معجزہ قرار دیتا ہے۔ اور دونوں کو بیان کرکے فرماتا ہے: ﴿فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِنْ رَبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ﴾[(۷۸)] (یہ دو [معجزاتی] دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کے لیے ہیں)۔ لیکن سر سید کہتے ہیں کہ "برہان" سے مراد معجزہ نہیں بلکہ "یہ فرعون اور اس کے سرداروں پر بطورِ حجت الزامی کے تھا۔ وہ اس قسم کے امور کو دلیل اس بات کی سمجھتے تھے کہ جس شخص سے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں وہ کامل ہوتا ہے۔ اور اسی لیے انہوں نے حضرت موسیٰ [علیہ السلام] سے بھی کرشمہ دکھلانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔۔۔ اور اسی سبب سے انہوں نے کہا کہ اگر کوئی کرشمہ دکھلایا جاوے گا تو وہ موسیٰ علیہ السلام کو سچا جانیں گے"[(۷۹)]۔

سر سید ان دونوں کو کرشمے قرار دے رہے ہیں۔ اگر موسیٰ علیہ السلام نے بھی کرشمہ دکھایا اور جادوگر بھی کرشمے دکھا رہے تھے تو پھر نبی اور جادوگر یا شعبدہ باز کا فرق ختم ہو جاتا ہے۔ صرف درجہ کا فرق رہ جاتا ہے کہ نبی زیادہ بڑا شعبدہ باز ہے کہ اس کے سامنے شعبدہ بازوں کے کرشمے ماند پڑ جاتے جاتے ہیں۔ "أعاذنا الله من ذلك" کچھ اسی طرح کا اظہار تو فرعون نے بھی کیا تھا: ﴿إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾[(۸۰)] (بے شک یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَى﴾[(۸۱)] (اور جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا)۔

سر سید احمد خان کے مسلک کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں۔ اس ضمن میں وہ قرآن سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "جو لوگ معجزوں کے طلب گار ہوتے ہیں وہ کبھی ایمان نہیں لاتے اور نہ ہی معجزوں کے دکھانے سے کوئی ایمان لاسکتا ہے۔ خود خدا نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اگر تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈ نکالے یا آسمان میں ایک سیڑھی لگالے تب بھی وہ ایمان نہیں لانے کے (۸۲)۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ اگر ہم کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب بھی بھیج دیں اور وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے بھی چھو لیں تب بھی وہ ایمان نہیں لانے کے اور یہ کہہ دیں گے کہ یہ اعلانیہ جادو ہے" (۸۳)۔ وہ ابن رشد سے بھی اس سلسلہ میں استدلال کرتے ہیں۔ اس کی کتاب "كتاب الكشف عن مناهج الادلة فی عقائد الملة" کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "ابن رشد بھی معجزات کو تعلیمات نبوی کے استناد کا ثبوت نہیں مانتے۔ اور کہتے ہیں کہ غیر پیغمبر بھی معجزہ دکھا سکتا ہے اور معجزہ اور معجزہ دکھانے والی پیغمبرانہ فطرت میں کوئی لازمی ربط نہیں ہے۔ خواہ وہ یہی دعویٰ کیوں نہ کرتا ہو کہ وہ معجزہ بحیثیت پیغمبر دکھا رہا ہے" (۸۴)۔ سر سید معجزہ کے دلیل نبوت ہونے کا انکار کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ "۔۔۔ معجزہ تو اس کے لیے دلیل ہوگا، جو اللہ کو مانتا ہو مگر اسے رسول کی صداقت میں شک ہو۔ اور جو نہ اللہ کو مانتا ہو نہ نبی کو تو معجزہ اس کے لیے کیسے دلیل ہو سکتا ہے" (۸۵)۔

کیا معجزہ دلیل نبوت ہے؟ متکلمین کا اس میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ نہ صرف مسلم متکلمین میں بلکہ مذاہبِ عالم کے پیروکار اس مسئلہ میں مختلف فیہ رہے ہیں۔ اکثریت اس رائے کی مؤید رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں ضرور کوئی امر خارق عادت ہوتا ہے جس سے معجزات کا ظہور ہوتا ہے۔ بعض اوقات یہ خیال اتنا غلو کی حد تک پہنچ جاتا ہے کہ پیروکار مذہب اپنے نبی میں خدائی صفات تک تسلیم کرلیتے ہیں۔ اسی غلو میں آکر ہندو کرشن اور رام کو الٰہ بنا بیٹھے اور عیسائی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا جزو اور پیکر جسمانی یقین کرتے ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں میں اپنی بعثت کا اعلان فرمایا تو انہوں نے اسی خیال کے مطابق کہ خرق عادت نبوت کا لازم ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا مطالبہ کیا۔ قرآن حکیم میں ان کے ان مطالبات کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے کہ ﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا o أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا o أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا o أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَى فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرَؤُهُ﴾ (۸۶) (اور وہ کہنے لگے کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ [خارق عادت۔ معجزہ نہ دکھاؤ یعنی یا تو] ہمارے لیے زمین سے چشمے جاری کرو، یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ میں نہریں بہا نکالو۔ یا جیسا تم کہا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ یا اللہ اور فرشتوں کو [ہمارے] سامنے لے

آؤ۔ یا تمہارا سونے کا گھر ہو، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ، اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک کوئی کتاب نہ لاؤ جسے ہم پڑھ بھی لیں)۔

متکلمین میں سے اشاعرہ کے نزدیک معجزہ لازمہ نبوت اور دلیل نبوت ہے۔ شرح المقاصد میں ہے کہ "طریق ثبوت النبوة علی الاطلاق علی المنکرین هو المعجزة لا غیره"[٨٧]۔ (منکرین نبوت کے لیے دلیل نبوت صرف معجزہ ہی ہے کچھ اور نہیں) صاحب شرح المقاصد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر بھی معجزہ ہی کو دلیل قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "إنه علیه السلام أدعی النبوة وأظهر المعجزة"[٨٨] (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو معجزات ظاہر کیے)۔ پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں کہ "فلأنه أتی بالقرآن المعجز وأخبر عن المغیبات وظهر منه ما لا یعتادمن الأحوال"[٨٩]۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ معجز لائے، غیب کی خبریں دیں اور خرق عادت افعال کا اظہار فرمایا)۔

اشاعرہ کے ماسوا متکلمین معجزہ کو شرائط نبوت میں سے نہیں مانتے۔ فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ "ولیس من شرط الرسالة الآیة المعجزة. لأن الرسول یرسل أولاً ویدعوا إلی الله ... وأما الآیة فالله إن أراد ینزلها وإن لم یرد لا ینزلها. وهذا لأن ما هو من ضرورات الشيء إذا خلق الله الشيء لا بد أن یخلقهاکالمکان من ضرورات الإنسان فلا یخلق الله إنساناً إلا ویکون قد خلق مکاناً أو یخلقه معه، ولکن الرسالة والمعجزة لیستا کذلك، فالله خلق رسولاً وجعله رسولاً لیسمن ضروراته إن تعلم له معجزة"[٩٠] (معجزہ شرائط رسالت میں سے نہیں کیونکہ رسول اللہ کی طرف سے دعوت دینے کے لیے بھیجا جاتا تھا۔۔۔ اور معجزہ اللہ چاہے تو نازل کر دیتا ہے نہ چاہے تو نہیں کرتا، کیونکہ یہ نبی کا لازمہ نہیں۔ اللہ جب کسی چیز کو پیدا کرتا ہے تو اس کی لازمی ضروریات بھی ساتھ ہی پیدا کرتا ہے۔ جیسے انسان مکان کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسا انسان نہیں پیدا فرمایا جو مکان سے مبرا ہو۔ لیکن رسالت اور معجزہ اس طرح لازم وملزم نہیں۔ اللہ نے رسول بھیجے اور ان کی ضروریات میں معجزہ کو داخل نہیں کیا)۔

رازی ان انبیاء کا ذکر بھی کرتے ہین جن کے پاس کوئی معجزہ نہیں تھا۔ "ولهذا علم وجود رسل کشیث وإدریس وشعیب ولم تعلم لهم معجزة"[٩١]۔ (چنانچہ ایسے رسول بھی ہیں جن کی رسالت مسلم ہے لیکن ان کے پاس کوئی معجزہ نہیں تھا جیسے شیث، ادریس اور شعیب علیہم السلام)۔

غزالی، نبی کے حالات کو اس کی نبوت پر دلیل قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نبی کی نبوت کی تائید اس کی زندگی، طہارت اور اس کے علم وحکمت سے ہوتی ہے نہ کہ معجزات سے۔ وہ نبی کے حالاتِ زندگی کو اس کی نبوت پر دلیل قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ "... فمن ذلك الطريق فاطلب اليقين بالنبوة لا من قلب العصا ثعباناً وشق القمر"[۹۲]۔ (تو اسی طریقہ سے نبوت پہ یقین حاصل کرو نہ کہ لاٹھی کے سانپ اور چاند کے پھٹ جانے سے)۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ صرف معجزہ ہی کو دلیل نبوت قرار دینا نبوت میں مزید شبہ پیدا کر دیتا ہے، کہ کہیں یہ سحر اور خیال بندی کی کرشمہ سازیاں تو نہیں[۹۳]۔

شاہ ولی اللہ دہلوی بھی اسی مسلک کی ترجمانی کرتے ہیں اور معجزہ کو اکثر حالات میں نبوت کے ساتھ لازم جاننے کے باوجود نبوت کی اصل سے خارج کرتے ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ "فليست المعجزات ولا استجابة الدعوات ونحو ذلك إلا أمور خارجة عن أصل النبوة ولازمة لها في الأكثر"[۹۴] (معجزات، استجابت، دعوات اور ان جیسے دوسرے امور اکثر حالات میں لازمہ نبوت ہونے کے باوجود اصل نبوت سے خارج ہیں)۔

شاہ صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ معجزات بھی عادی واقعات ہیں اور ان کا دارومدار ظاہری اسباب پر ہے،۔ چونکہ ان کے اسباب قلیل الوقوع ہیں اس لیے ان کا ظہور بھی قلیل ہوتا ہے۔ اور اکثر انبیاء سے ان کا ظہور ہونے کے باوجود انہیں شرط نبوت قرار دینا قطعاً صحیح نہیں۔ الخیر الکثیر میں لکھتے ہیں کہ "وقد أشتهر أن النبي مقرون بالمعجزة البتةوليس عندنا مطرداً"[۹۵] (مشہور یہی ہے کہ نبی اور معجزہ لازم وملزوم ہیں، لیکن ہمارے نزدیک یہ ضروری نہیں ہے)۔

اس مسلک کے مؤید حضرات کا کہنا ہے کہ قرآن حکیم نے جس طرح توحید کا حقیقی تصور پیش کیا ہے اسی طرح نبوت کی اصل حقیقت بھی کھول کر بیان کر دی ہے۔ اور اس کے لیے سب سے پہلے بڑے واضح اور دوٹوک انداز میں یہ حقیقت بیان کی ہے کہ نبی بشر ہوتا ہے، اور جو چیزیں بشریت سے بالاتر ہیں وہ نبی میں نہیں ہوتیں مثلاً: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَى إِلَيَّ"[۹۶] (کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ مگر میں تو صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں) ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَلَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾[۹۷] (کہہ دیجیے کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا

مگر جو اللہ چاہے۔ اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو مومنوں کو ڈر اور خوش خبری سنانے والا ہوں)۔

قرآن حکیم نے لوگوں کے ذہنوں میں نبی کی بشریت کا اعتقاد بٹھانے کے بعد نبوت اور معجزہ میں تلازم کے عقیدہ کو بھی رفع کیا۔ منکرین حق جو معجزات طلب کرتے تھے اور نبوت کو معجزہ پر موقوف جانتے تھے انہیں مختلف انداز سے جواب دیئے گئے، اور ہر جگہ یہ ظاہر کیا کہ نبوت معجزہ پر موقوف نہیں۔ مثلاً: ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾(۹۸) (اور کافر کہتے ہیں کہ اس [نبی] پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی [معجزہ] کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف ڈر سنانے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہوتا ہے)۔ ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ﴾(۹۹) (اور کافر کہتے ہیں کہ اس (نبی) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی۔ کہہ دیجیے اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے) ﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾(۱۰۰) (اور وہ [کافر] کہتے ہیں کہ اس [نبی] پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں [معجزات] کیوں نہیں نازل ہوتیں۔ کہہ دیجیے کہ نشانیاں [معجزات] تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو کھلم کھلا انذار کرنے والا ہوں)۔

سورہ بنی اسرائیل میں منکرین حق کے مطلوبہ معجزات کا ذکر کیا گیا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۝ أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا ۝ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ قَبِيلًا ۝ أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِنْ زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَى فِيالسَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرَؤُهُ﴾(۱۰۱) (اور وہ [کافر] [کافر] کہنے لگے کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ یا تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دو، یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ میں نہریں بہا نکالو۔ یا جیسا تم کہا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ۔ یا اللہ اور فرشتوں کو [ہمارے] سامنے لے آؤ۔ یا تمہارا سونے کا گھر ہو، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ۔ اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک کوئی کتاب نہ لاؤ جسے ہم پڑھ بھی لیں)۔

ان سب مطالبات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا: ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا﴾(۱۰۲) (کہہ دیجیے کہ میرا رب پاک ہے، میں صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں)۔

ان اور ان جیسی دوسری آیات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان معجزات کے اظہار سے اعراض کیا جو منکرین حق طلب کر رہے تھے۔ باوجود اس کے کہ ان کا اظہار اللہ کے لیے محال اور ناممکن نہ تھا۔ اور اس میں حکمت یہ تھی کہ لوگوں کو ازخود اختیار کردہ اس قدیم عقیدہ سے نکالا جائے جس کے تحت وہ معجزہ کو لازمہ نبوت خیال کرتے تھے۔ ورنہ خرقِ عادت کے پیش کرنے سے انکار اس بناء پر نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہیں۔ وہ خود فرماتا ہے: ﴿وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾[١٠٣] (اور وہ (کافر) کہتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی [معجزہ] کیوں نازل نہیں ہوا۔ کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نشانی [معجزہ] اتارنے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)۔

اشاعرہ جو کہ معجزہ کو نبوت کا لازمہ قرار دیتے ہیں، وہ بھی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ معجزہ نبوت کی عقلی دلیل ہے۔ بلکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ معجزہ کے صدور کے وقت لوگوں کو عادتاً یقین ہو جاتا ہے نہ کہ عقلاً۔ شرح المواقف میں ہے کہ "وهذه الدلالة ليست دلالة عقلية محضة، كدلالة الفعل على وجود الفاعل.... وليست المعجزة كذلك.... بل هي دلالة عادية كما أشار إليه بقوله وهي عندنا أي الأشاعرةاجراء الله عادته بخلف العلم بالصدق عقبيه أي عقب ظهور المعجزة"[١٠٤] (اور یہ دلالت محض عقلی نہیں ہے جیسا کہ فعل کی دلالت فاعل کے وجود پر۔۔۔ معجزہ اس طرح کی دلالت نہیں۔۔۔ بلکہ یہ دلالت عادیہ ہے جیسا کہ صاحب مواقف نے اپنے لفظوں میں اشارہ کیا ہے کہ یہ دلالت ہمارے (اشاعرہ کے) نزدیک اس بناء پر ہے کہ اللہ کی عادت یہ ہے کہ جب معجزہ صادر ہوتا ہے تو صاحب معجزہ کی سچائی کا علم اللہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے)۔

محققین اشاعرہ کے اس موقف پر بھی تنقید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ بھی مکمل طور پر نہیں کیا جاسکتا کہ معجزہ سے صاحب معجزہ کی سچائی لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ انبیاء سے معجزات کے ظہور کے باوجود بہت سارے لوگ ایمان نہیں لاتے تھے۔ بلکہ نہ ایمان لانے والوں کی تعداد اکثر ایمان لانے والوں سے زیادہ ہوتی تھی۔ اس طرح اس دعویٰ کو تسلیم کرنے سے ہدایت کی تکذیب لازم آتی ہے۔ اور محققین کی تصریح کے مطابق معجزہ نبوت کے یقین کے لیے کافی نہیں[١٠٥]۔

سرسید احمد خان بھی معجزہ کو دلیل نبوت تسلیم نہیں کرتے، عقلی طور پر معجزہ دلیل نبوت اس لیے نہیں کہ ان کے نزدیک معجزہ عقلی طور پر ممکن الوقوع ہی نہیں[١٠٦]۔ رہا معاملہ شرع کا تو وہ کہتے ہیں کہ جب رسول کی بعثت ہی معرض بحث میں ہو تو شرع کا وجود کیسے ثابت ہو گا؟ اور مزید یہ کہ معجزہ تو اس کے لیے دلیل ہو گا جو اللہ کو

مانتا ہو۔ مگر رسول کی صداقت میں شک کرتا ہو، اور جو نہ اللہ کو مانتا ہو نہ ہی نبی کو تو معجزہ اس کے لیے کیسے دلیل ہو سکتا ہے؟[۱۰۷]

سرسید اس حد تک علماء متقدمین کے ساتھ ہیں۔ بلکہ ان کے سب سے بڑے ناقد مولانا محمد عبد الحق حقانی بھی یہ کہتے ہیں کہ "۔۔۔ انبیاء کی بعثت سے بنی آدم کی ہدایت اور ان کے اخلاق و معارف کی درستی موقوف ہوتی ہے۔ معجزہ کوئی مقصودی کام نہیں بلکہ نبی کی صداقت کے لیے صادر کرایا جاتا ہے۔ اور نبی کی نبوت معجزہ پر موقوف نہیں ہوتی، ممکن ہے بعض انبیاء نے ایک بھی معجزہ نہ دکھایا ہو"[۱۰۸]۔

سرسید اور متقدمین کے موقف میں فرق یہ ہے کہ وہ سرے سے خارق عادت کے وجود کو تسلیم ہی نہیں کرتے۔ جب کہ متقدمین خارق عادت کے ممکن الوجود ہونے کے قائل ہیں۔ جب کہ سرسید معجزہ کا واقع ہونا ہی تسلیم نہیں کرتے۔ تو ان کا متقدمین کے ساتھ ایک جزو میں متفق ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

سرسید احمد خان کے مسلک کا تیسرا نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معجزہ کے صادر ہونے کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ وہ اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور نبوت کی سب سے بڑی دلیل قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور بڑھ جاتی ہے۔ اس سے وہ یہ بھی استنباط کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سرورِ انبیاء تھے لیکن قرآن نے ان کے کسی معجزے کا تذکرہ نہیں کیا تو پھر دوسرے انبیاء سے معجزات کا ظہور کیوں کر ہو سکتا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں کہ "مسلمانوں کے حال پر اس سے بھی زیادہ افسوس ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیائے سابقین سے افضل سمجھتے ہیں، انبیائے سابقین کے معجزے تو قرآن میں بتلاتے ہیں مگر افضل الانبیاء کے ایک معجزے کا ذکر بھی قرآن مجید میں نہیں دکھاتے"[۱۰۹]۔

اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لیے وہ قرآن حکیم سے استدلال کرتے ہیں کہ "۔۔۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾[۱۱۰] (کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں [البتہ] میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود [وہی] ایک معبود ہے)۔ اور نبی سے صدور معجزہ کے بالکل انکار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالُوالَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُبِينٌ﴾[۱۱۱] (اور [کافر] کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں۔ کہہ دو کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں، اور میں تو کھلم کھلا انذار کرنے والا ہوں)۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ ﴿لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًاوَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ

لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾[۱۱۲] (کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا تو بہت سارے فائدے جمع کر لیتا اور مجھ کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو مومنوں کو ڈر اور خوش خبری سنانے والا ہوں)۔

ان آیات سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معجزہ کے صادر ہونے کی نفی کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "اور اس طرح کی اور بہت سی آیتیں ہیں۔ پس خود ہمارے سردار نے معجزوں کی نفی کی ہے، پھر کس طرح ہم معجزوں کو مان سکتے ہیں"[۱۱۳]۔

لیکن قرآن حکیم یہ بتاتا ہے کہ کفار کا معجزہ طلب کرنا نفی معجزہ کی دلیل نہیں۔ انہیں نفس معجزہ مانگنے پر تنبیہ نہیں کی گئی بلکہ مادی اور ظاہری معجزات طلب کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ نبوت کی نشانیاں ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ عناد سے معجزہ طلب کرنے پر اصرار کر رہے ہیں۔ اسی لیے قرآن حکیم میں کفار کے معجزہ طلب کرنے کا جہاں ذکر ہے وہیں یہ تصریح بھی موجود ہے کہ جو خوارق وہ طلب کر رہے ہیں وہ اگر ظاہر بھی کر دیئے جائیں تو انہیں ہرگز تسلی نہ ہوگی۔ بلکہ تسلی کے لیے نبوت کے ان آثار وعلامات کی طرف توجہ کرنی چاہیے جو ہر سعادت مند کے لیے باعث تسلی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّاالْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ٥ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾[۱۱۴] (اور جو لوگ [کچھ] نہیں جانتے (یعنی مشرک) وہ کہتے ہیں کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی۔ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی انہی کی سی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں جو لوگ صاحب یقین ہیں ان کے [سمجھانے کے] لیے ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ بے شک ہم نے تو آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا اور آپ سے اہل جہنم سے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا)۔

اس آیت میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ معجزات طلب کرنے والوں کو نبوت کی وہ نشانیاں کیا نظر نہیں آتیں جو ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں۔ دوسری جگہ یوں ارشاد فرمایا: ﴿وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ أَوَلَمْ تَأْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَى ٥ وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَاأَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ﴾[۱۱۵] (اور کہتے ہیں کہ یہ [رسول] اپنے رب کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے۔ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کی نشانیاں نہیں آئیں۔ اور اگر ہم ان کو رسول کے بھیجنے سے پہلے ہی کسی عذاب سے

ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہیں بھیجا کہ ہم ذلیل ورسوا ہونے سے پہلے تیرے کلام واحکام کی پیروی کرتے)۔

اس آیت میں بھی گذشتہ قوموں کے واقعات کی طرف توجہ دلا کر بتایا گیا ہے کہ پہلے لوگوں کے سامنے معجزات آئے تھے لیکن انہوں نے انکار کر دیا تو ان کا کیا حشر ہوا۔ تم بھی معجزات کا مطالبہ کر رہے ہو، اگر وہ ظاہر کر دیئے گئے اور تم ایمان نہ لائے تو انہی جیسے انجام سے دوچار ہوگے [۱۱۶]۔ قریش نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا ظہور ہوتے دیکھا تو معاندین کی عادت کے مطابق نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اسے جادو، شعبدہ بازی اور کہانت کہا۔ یہی کچھ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر بنی اسرائیل نے کہا تھا: ﴿هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾[۱۱۷] (یہ تو کھلا ہوا جادو ہے)۔ ﴿إِنْ هَذَانِ لَسَاحِرَانِ﴾[۱۱۸] (یہ دونوں تو جادوگر ہیں)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ عصا کو دیکھ کر جادوگر تو ایمان لے آئے۔ ﴿فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ o قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ o رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ﴾[۱۱۹] (تو جادوگر سجدے میں گر پڑے [اور] کہنے لگے کہ ہم ہارون وموسیٰ کے رب پر ایمان لائے)۔ لیکن فرعون یہی کہتا رہا کہ ﴿إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ﴾[۱۲۰] (یہ [موسیٰ] تو تم سب کا بڑا جادوگر ہے جس نے تم کو بھی جادو سکھایا ہے)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی جب معجزات کا ظہور ہوا تو مخالفین نے یہی کہا کہ اس کے ساتھ شیطان اور بدروحیں ہیں جن کی مدد سے یہ سب کچھ کرتا ہے"۔۔۔ مگر فریسیوں نے کہا کہ یہ تو بدروحوں کے سردار کی مدد سے بدروحوں کو نکالتا ہے"[۱۲۱]۔

معاندین ومخالفین کی اسی عادت مستمرہ کے مطابق قریش نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھ کر کہا کہ یہ کاہن ہے، جادوگر ہے۔ قرآنِ حکیم نے ان کے اس قول کی نفی کی ہے: ﴿فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ﴾[۱۲۲] (آپ اپنے رب کے فضل سے کاہن نہیں)۔ ﴿وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ﴾[۱۲۳] (اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے)۔ ﴿قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾[۱۲۴] (منکرین حق کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے) ﴿ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ o فَقَالَ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ﴾[۱۲۵] (پھر پیٹھ پھیری، تکبر کیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے جو اگلے وقتوں سے چلا آتا ہے)۔

مخالفین نے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوارق عادت کا ظہور دیکھا تھا تبھی تو کہنے لگے کہ یہ جادو ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ جس کا تذکرہ قرآن کرتا ہے اور جس سے کوئی انکار نہیں

کر سکتا، شرح صدر ورفعت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ○ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ○ الَّذِي أَنْقَضَ ظَهْرَكَ ○ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾[۱۲۶] (کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بوجھ بھی اتار دیا، جس نے آپ کی پیٹھ توڑ رکھی تھی، اور آپ کا ذکر بلند کیا)۔

کسی ایسے شخص کا جس نے کسی سے نہ پڑھا ہو، اور نہ لکھنا پڑھنا جانتا ہو، نہ ہی حکماء کے ملک کا رہنے والا ہو، جملہ علوم و معارف کا سر چشمہ ہو جانا۔ ایسی شرح، شرح صدر نہیں جو انسانی قدرت سے فوق ہے؟ اور کیا دیکھنے والوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ نظر نہیں آتا؟[۱۲۷]

حواشی وحوالہ جات

۱ - تحریر فی اصول التفسیر، سرسید: الاصل التاسع، ص: ۲۵-۲۷۔

۲ - دیکھیے: تفسیر القرآن: سرسید، ۱/ ۱۳۲-۱۴۵۔

۳ - تحریر فی اصول التفسیر: الاصل التاسع، تفسیر القرآن: ۳/ ۵-۱۵۔

۴ - تفسیر القرآن،:۳/ ۶، بتصرف۔

۵ - ایضاً: ص: ۲۶۔

۶ - ایضاً: ۳/ ۲۶۔

۷ - دیکھیے: ایضاً:۲/ ۱۶۱-۱۶۲، ۳/ ۲۶۔

۸ - ایضاً: ۳/ ۲۸۔

۹ - ایضاً: ۳/ ۲۸۔

۱۰ - ایضاً: ۳/ ۳۳۔

۱۱ - سورہ بنی اسرائیل:۱۷: ۹۳، تفسیر القرآن: سرسید ۳ / ۲۴۔

۱۲ -تفسیر القرآن: سرسید، ۳/ ۲۴، ۲۶، ۳۴۔

۱۳ - سورۃ الروم: ۳۰: ۳۰۔

۱۴ - سورہ فاطر:۳۵ : ۴۳۔

۱۵ - سورۃ الفتح: ۴۸: ۲۳۔

۱۶ - سورہ بنی اسرائیل:۱۷: ۸۶۔

۱۷ - تفسیر القرآن: سرسید، ۳/ ۲۹۔

۱۸ - سورۃ القمر: ۵۴: ۴۹۔

۱۹ -سورۃ الرعد:۱۳: ۸۔

۲۰ - سورۃ الفرقان:۲۵: ۲۔

۲۱ -تفسیر القرآن: سرسید،۳/ ۲۸۔

۲۲ - ایضاً: ۳/ ۳۳۔

۲۳ -سورۃ الاعراف:۷: ۱۰۸ [(موسیٰؑ نے اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈالی تو وہ اسی وقت صریح اژدھا (ہو گیا)]۔

۲۴ - تفسیر کبیر: رازی، ۱۴/ ۲۰۲۔

۲۵ -دیکھیے: ایضاً: ۱۴/ ۲۰۲-۲۰۴۔

۲۶ - ایضاً۔

۲۷ - سیرت النبی: ندوی، سلیمان، ۳/۵۴، بتصرف۔

۲۸ - دیکھیے: ایضاً: ۳/۵۴-۵۵۔

۲۹ - دیکھیے: ایضاً: ۳/۵۶-۵۸۔

۳۰ - دیکھیے: ایضاً: ص ۳/۵۸-۵۹۔

۳۱ - اصول الدین: ابو منصور البغدادی، عبد القاہر بن طاہر التمیمی (متوفی ۴۲۹ھ) ص: ۱۲۰-۱۲۱ مطبعہ الدولہ، استنبول ۱۹۲۸ھ۔

۳۲ - احمد تقی الدین ابو العباس بن عبد الحلیم بن عبد السلام (۷۲۸ھ)، فقیہ، مجتہد، مجدد، متکلم (شذرات الذہب: ۸/۱۴۲-۱۵۱)۔

۳۳ - ابو الحسن علی بن اسماعیل بن ابی بشر (۳۲۴ھ)، علی الجبائی معتزلی کے شاگرد تھے۔ اعتزال ترک کیا اور اپنے مسلک کی بنیاد رکھی جسے اشعری کہا گیا۔ متکلم، الحادو اعتزال کے رد میں کثیر التصانیف تھے۔ (شذرات الذہب: ۴/۱۲۹-۱۳۳)۔

۳۴ - دیکھیے: الرد علی المنطقیین: ابن تیمیہ، تقی الدین ابو العباس (متوفی ۷۲۸ھ)، ص: ۴۲۱، ادارہ ترجمان السنہ لاہور، ۱۹۷۶ھ۔

۳۵ - ملاحظہ کیجیے: سیرت النبی: ندوی، سید سلیمان، ۳/۵۵۔

۳۶ - سورہ فاطر: ۳۵ : ۴۳۔

۳۷ - تفسیر القرآن: سر سید، ۳/۲۹۔

۳۸ - سورہ فاطر: ۳۵ : ۴۲-۴۳، تفسیر ابی السعود، ج ۴/۳۷۴، تفسیر المراغی: مراغی، احمد مصطفی (متوفی ۱۳۷۱ھ)، ۸/۱۴۰، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، قاہرہ، طبعہ اولیٰ ۱۹۴۶ھ۔

۳۹ - تفسیر ابی السعود: ۳/۳۴۵، تفسیر المراغی: ۵/۸۰۔

۴۰ - سورہ بنی اسرائیل: ۱۷: ۷۶-۷۷۔

۴۱ - دیکھیے: سیرت النبی: ندوی، ۳/۳۰۶-۳۱۲۔

۴۲ - سورۃ الروم: ۳۰ : ۳۰۔

۴۳ - دیکھیے: تفسیر ابن کثیر: ابن کثیر، ۳/۴۱۲-۴۱۷، تفسیر کبیر: رازی، ۲۵/۱۲۰-۱۲۱۔

۴۴ - الروم: ۳۰ : ۳۰۔

۴۵ - صحیح بخاری: كتاب التفسير، تفسير سورت الروم ، باب لا تبديل لخلق الله عن ابى هريرة رضى الله عنه-

۴۶ - سورۃ الصافات: ۳۷ : ۹۷۔

۴۷ - سورۃ الانبیاء: ۲۱: ۶۹-۷۰۔

۴۸ - تحریر فی اصول التفسیر: ص: ۳۳-۳۴، الاصل الخامس عشر۔

۴۹ - ایضاً: ص ۳۳۔

۵۰ - سورۃ الانبیاء: ۲۱ : ۶۸۔

۵۱ - سورۃ الصافات: ۳۷ : ۹۷۔

۵۲ - سورۃ الانبیاء :۲۱: ۷۰۔

۵۳ - سورۃ الانبیاء :۲۱: ۶۹۔

۵۴ - سورۃ البقرۃ : ۲: ۶۰۔

۵۵ - سورۃ الاعراف :۷ : ۱۶۰۔

۵۶ - عہد نامہ قدیم: کتاب الخروج، باب: ۱۷، آیات: ۱-۷، کتاب گنتی، باب: ۲۰، آیات: ۱-۱۲، کتاب مقدس، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور، ۱۹۴۷۔

۵۷ - تفسیر الکشاف: زمخشری، ۱/۲۷۴، تفسیر کبیر: رازی، ۳ /۱۰۱-۱۰۲، تفسیر المراغی: ۱/۱۲۶۔

۵۸ - تفسیر القرآن: سرسید، ۱/۹۰-۹۱۔

۵۹ - ایضاً: ۱/۱۱۷۔

۶۰ - ایضاً: ۱/۱۱۷-۱۱۸۔

۶۱ - لسان العرب: ابن منظور افریقی، ۴/۱۶۵-۱۷۱، دیکھیے: معجم الوسیط، ص: ۱۵۷-۱۵۸۔

۶۲ - القاموس القویم للقرآن الکریم: ابراہیم احمد، ۱/ ۳۹۰-۳۹۱۔

۶۳ - سورۃ آل عمران: ۲: ۱۵۶۔

۶۴ - سورۃ البقرۃ : ۲: ۲۷۳۔

۶۵ - تفسیر القرآن: سرسید ۱/۱۱۸۔

۶۶ - تفسیر ابی السعود: ۱/۱۸۰، تفسیر کشاف: ۱/۲۷۴، البحر المحیط: ابوحیان اندلسی محمد بن یوسف [متوفی ۷۴۵ھ] ۱/ ۳۹۰-۳۹۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۳ء۔

۶۷ - عہد نامہ قدیم: کتاب الخروج، باب ۱۵، آیت: ۲۷۔

۶۸ - ایضاً: باب ۱۷، آیات: ۱-۷۔

۶۹ - طٰہٰ: ۱۷-۲۲۔

۷۰ - تفسیر القرآن: ۳/۱۷۰-۱۷۱۔

۷۱ - ایضاً: ۳/۱۷۱۔

۷۲ - ایضاً: ۳/۱۷۳۔

۷۳ - ایضاً۔

۷۴ - سورۃ الشعراء : ۲۶: ۳۳۔

۷۵ - تفسیر القرآن: ۳/۱۷۳۔

۷۶ -سورۃ النمل: ۲۷: ۱۹۔

۷۷ - سورہ طٰہٰ: ۲۰: ۲۱-۲۲۔

۷۸ - سورۃ القصص: ۲۸: ۳۲۔

۷۹ - تفسیر القرآن: ۳/ ۱۷۴۔

۸۰ -طٰہٰ: ۲۰: ۷۱۔

۸۱ -سورۃ طٰہٰ، ۲۰: ۶۹۔

۸۲ - ﴿ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ ﴾ (الانعام: ۶: ۳۵)۔

۸۳ - ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾ [الانعام: ۶: ۷] دیکھیے: تفسیر القرآن: ۳/ ۳۵۔

۸۴ -دیکھیے: الکشف عن مناهج الادلة في عقائد الملة: ابن رشد، ابوالولید محمد بن احمد (متوفی ۵۹۵ھ)، ص ۱۷۳-۱۷۸، (فی بعث الرسل والمعجزات) تحقیق محمد عابد الجابری، مرکز دراسات الوحدہ العربیہ بیروت، ۱۹۹۸ء، تفسیر القرآن: ۱/ ۱۳۳-۱۴۲۔

۸۵ - ملاحظہ کیجیے: تفسیر القرآن: ج ۱/ ۱۹۳-۲۰۴۔

۸۶ - سورۃ بنی اسرائیل، ۱۷: ۹۰-۹۳۔

۸۷ -شرح المقاصد: تفتازانی، سعد الدین سعود بن عمر بن عبد اللہ [متوفی ۷۹۳ھ]، ۵/ ۱۹، عالم الکتب بیروت ۱۹۹۸ء۔

۸۸ - ایضاً: ۵/ ۲۵۔

۸۹ - ایضاً۔

۹۰ - تفسیر کبیر: رازی، ۲۵/ ۷۹، تفسیر ﴿وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِنْ رَبِّهِ..... ﴾ [سورۃ العنکبوت، ۲۹: ۵۰] المطالب العالیہ: رازی، ۸/ ۶۷-۶۸، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۷ء۔

۹۱ - تفسیر کبیر، رازی: ۲۵/ ۷۹۔

۹۲ -المنقذ من الضلال: غزالی، ابو حامد محمد بن محمد [متوفی ۵۰۵ھ]، ص: ۱۱۴ دار الاندلس، بیروت، ۱۹۶۲ء۔

۹۳ - ایضاً: ص ۱۱۴، "فإن ذلك إذا نظرت إليه وحده.... ربما ظنت أنه سحر وتخيل"۔

۹۴ - حجۃ اللہ البالغہ: شاہ ولی اللہ، ۱/ ۸۵۔

۹۵ -الخیر الکثیر: شاہ ولی اللہ دہلوی، ص: ۷۳، من سلسلہ مطبوعات المجلس العلمی، نمبر ۱۳، مدینہ پریس بجنور ۱۳۵۳ھ۔

۹۶ - سورۃ الانعام، ۶: ۵۰۔

۹۷ - سورۃ الاعراف، ۷: ۱۸۸۔

۹۸ - سورۃ الرعد، ۱۳: ۷۔

۹۹ - سورۃالرعد، ۱۳: ۳۷۔

۱۰۰ - سورۃالعنکبوت،۲۹: ۵۰۔

۱۰۱ -سورہ بنی اسرائیل، ۱۷: ۸۹-۹۳۔

۱۰۲ - سورہ بنی اسرائیل، ۱۷: ۹۳۔

۱۰۳ - سورۃالانعام، ٦: ۳۷۔

۱۰۴ -شرح المواقف: المبحث الثالث فی کیفیة دلالتها، جرجانی، علی بن محمد سید شریف، ۸/۱۸۱-۱۸۲، مطبعہ السعادہ، قاہرہ ۱۳۲۵ھ۔

۱۰۵ -الکلام: شبلی، ص: ۲۱۸۔

۱۰٦ -تفسیر القرآن: ۳/۳۳۔

۱۰۷ - دیکھیے ایضاً: ۱/۱۹۳-۲۰۴۔

۱۰۸ -البیان فی علوم القرآن: حقانی، محمد عبدالحق دہلوی [متوفی ۱۳۳۵ھ]، ص: ۱۵۴، دار الاشاعت تفسیر حقانی دہلی، ۱۹۳۲ء۔

۱۰۹ - دیکھیے: تفسیر القرآن: ۱/۱٦۱، ۳/۵-۱۵۔

۱۱۰ - سورۃالکھف، ۱۸: ۱۱۰۔

۱۱۱ - سورۃالعنکبوت، ۲۹: ۵۰۔

۱۱۲ -سورۃالاعراف، ۷: ۸۸۔

۱۱۳ -تفسیر القرآن: ۲/۱٦۱۔

۱۱۴ -سورۃالبقرۃ، ۲: ۱۱۸-۱۱۹۔

۱۱۵ -سورۃطٰہٰ،۲۰: ۱۳۳-۱۳۴۔

۱۱٦ - تفسیر کبیر: رازی، ۲۲/۱۳۷، تفسیر روح المعانی: آلوسی، شہاب الدین محمود [متوفی ۱۲۷۰ھ] ۱۷/۲۸٦، ادارہ الطباعہ المنیریہ، قاہرہ، سن ندارد۔

۱۱۷ - سورۃالنمل، ۲۷: ۱۳۔

۱۱۸ -سورۃطٰہٰ، ۲۰: ٦۳۔

۱۱۹ -سورۃطٰہٰ، ۲۰: ۷۰۔

۱۲۰ - سورۃطٰہٰ، ۲۰: ۷۱۔

۱۲۱ -کتاب مقدس: عہد نامہ جدید، انجیل متی، باب ۹، آیت: ۳۴۔

۱۲۲ -سورۃطور، ۵۲: ۳۹۔

۱۲۳ - سورۃالحاقہ، ٦۹: ۴۲۔

۱۲۴ -سورۃ الاحقاف، ۴۶: ۷۔

۱۲۵ -سورۃ المدثر، ۷۴: ۲۳-۲۴۔

۱۲۶ -سورۃ الانشراح، ۹۴: ۱-۴۔

۱۲۷ -البیان فی علوم القرآن، حقانی، عبد الحق دہلوی، ص: ۱۴۲۔